حیاتِ سیّدہ سُکینہ

حیات سیدہ سکینہ پر چند تبصرے

ایڈیٹر ماہنامہ بلاغ القرآن لاہور محترم محمد علی رسول نگری لکھتے ہیں۔

یہ کتاب مرحوم و مغفور محمود احمد عباسی کے شاگرد رشید محترم عزیز احمد صدیقی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں تاریخی مغالطہ رفع کیا گیا ہے کہ حضرت سکینہ بنت حسین بن علی کی بیٹی کے متعلق جو شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ پانچ سال کی عمر میں دمشق کے قید خانے میں بے آب و دانہ تڑپ تڑپ کر مر گئی تھیں غلط ہے۔ صدیقی صاحب نے شیعہ حضرات کی کتابوں سے ثاابت کیا ہے۔ کہ حضرت سکینہ نے قریباً اکیاسی سال کی عمر پائی۔ اور آپ نے اتنے زیادہ نکاح کئے تھے۔ جو انگلیوں پر گنے نہیں جا سکتے۔ ہم یہ تبصرہ بادل ناخواستۃ کر رہے ہیں۔ افسوس اس امر کا ہے کہ ہماری نام نہاد اسلامی تاریخ کا جب بھی کوئی باب کھلتا ہے تو اس پر رنجیدہ ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ ہماری رائے ہے کہ مسلمان اپنی تاریخ قرآن کریم کی روشنی میں از سر نو مرتب کریں۔ اور وہ سارا مواد خارج کر دیں جس سے حضور۔ آپ کے صحابہ کرام۔ ازواج مطہرات اور برگزیدہ اسلاف کی توہین ہوتی ہو۔ ادارہ

بلاغ القرآن ماہ دسمبر ۷۵ء

حیاتِ سیدہ سکینہ

بنت سیدنا حسین شہید کربلا

سال اشاعت ۱۹۷۵ء — تعداد ایک ہزار۔
قیمت :- ۲ روپے

فہرست

۱	پنبہ نہم کجا کجا	۵
۲	تابوت سکینہ کی حقیقت	۱۳
۳	سیدہ سکینہ کی پیدائش	۱۵
۴	سیدہ کا نام	۱۷
۵	سیدہ کی والدہ	۱۸
۶	سیدہ کی تربیت	۲۰
۷	سیدہ کا نکاح	〃
۸	سیدہ سکینہ کربلا میں	۲۲
۹	سانحہ کربلا کا پس منظر	۲۵
۱۰	کوفہ کو واپسی	۲۸
۱۱	دمشق میں پذیرائی	۳۱
۱۲	سیدہ کی واپسی مدینہ اور عقد ثانی	۳۵
۱۳	سیدہ کا تیسرا نکاح	۳۷
۱۴	سیدہ کا چوتھا نکاح	۳۸
۱۵	سیدہ کا پانچواں نکاح	۴۰
۱۶	عجمی افترا پردازی	۴۲
۱۷	دنیا سے رحلت	۴۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پلنبہ نہم کجا کجا

ایں خانہ تمام آفتاب است

اسلام نے معاشرے میں عورتوں کا مرتبہ کتنا بلند کیا ہے اور ان کو کتنی عظمت دی ہے ؟ یہ معلوم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ہم صدر اول کی مسلمان خواتین کے صحیح حالات سے واقف ہوں ، مگر بد قسمتی سے ہمیں اپنے رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلِ بیت یعنی ازواجِ مطہرات و بنات طیبات رضوان اللہ علیہن کے حالات زندگی و سیرت پاک پر بھی کوئی مستند کتاب دستیاب نہیں ہے ، جو کچھ لکھا ملتا ہے ، وہ عجمی دشمنانِ اسلام کا لکھا ہوا ہے ، اور ناقابلِ اعتبار ہے ، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بیشتر مسلمان بھائیوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ رسول کریم کی اولاد میں سیدہ فاطمہ کے علاوہ بھی کوئی تھا۔ اور ان کو اسلامی معاشرے میں کیا مقام حاصل تھا ، ان کی اولاد و احفاد میں کون کون کیسے کیسے کارنامے نمایاں کر گیا اور ان کے کارناموں کو شہرت نہ مل سکی۔ تو کیوں ؟

اگر رسول کریم کو اللہ تعالیٰ نے دیگر پیغمبروں کی طرح اولاد نرینہ عطا نہ کی "ما کان محمد اباء احد من رجالکم" تو ضروری تھا کہ آپ کے تینوں دامادوں اور ان کی تمام اولاد کے کارنامے لکھتے اور محفوظ کرتے، جنہیں ہم پڑھتے اور اپنے بچوں کو سناتے۔ خاص کر آپ کے متبنیٰ بیٹے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید کے حالاتِ زندگی معلوم کرتے جنہوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں لشکرِ اسلام کی قیادت سنبھالی اور متعدد معرکے سر کئے اور اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ مگر ان بزرگوں کے کارنامے ہماری تاریخ میں جگہ نہ پا سکے۔ یعنی ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا، اور اپنے خون سے چمنِ اسلام کی آبیاری کی، ان پہاڑ جیسی اعلیٰ و ارفع شخصیتوں کو ہمارے مجوسی نژاد مورخوں اور محدثوں نے پسِ پشت ڈال دیا، اور ان کے مقابلے میں اپنے بارہ اماموں اور چودہ معصوموں کا وہ پروپیگنڈا کیا کہ جس نے زندگی میں ایک چوہا بھی نہ مارا تھا، سید الشہدا بن کر پوجے جانے لگے، اور آج ہم سمجھتے ہیں کہ خاندانِ نبوت میں اُن چند مجہول و مظلوم شخصیتوں کے علاوہ کوئی دوسرا موجود ہی نہ تھا۔ بارھویں امام صاحب کا یہ حال ہے کہ وہ دشمنوں کے خوف سے آج بارہ سو سال سے مفرور و مستور ہیں اور برابر بلائے جا رہے ہیں نکلو اور سامنے آؤ مگر امام صاحب ہیں کہ دبکے بیٹھے ہیں اور یہ لوگ اہلِ بیت رسول کہلاتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ انہیں اہل بیت خدا سمجھتے ہیں، ان سے ہمیں کوئی شکایت نہیں (وہ کس خدا کے اہلِ بیت ہیں ہماری کتاب "ارمغانِ عجم" میں دیکھئے

میں نے استاذی مرحوم علامہ محمود احمد عباسی سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنی تحقیقات کے دوران جو بھی صحیح حالات ان زعمائے اسلام کے پائیں وہ علیحدہ جمع کر کے شائع کر دیں۔ مگر ان کو دیگر مصروفیات نے جن میں حکومتِ

وقت سے مقدمہ بازی بھی شامل تھی یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا موقع نہ دیا، حکومت شیعی دباؤ کے تحت مقدمہ کو مسلسل طول دیتی رہی، عدالتِ عالیہ بے بس تھی، بارہ سال تک فیصلہ نہ دے سکی، موصوف اسی نوے سال کی عمر میں انصاف کے لئے اس کے دروازے کھٹکھٹاتے رہے، بالآخر مایوس و دل برداشتہ راہی ملکِ عدم ہوئے۔

مگر وہ اپنا کام کر گئے، جو شمع انہوں نے جلائی تھی اس سے برصغیر کا کونہ کونہ روشن ہو چکا ہے۔ بلکہ اس سے سینکڑوں چراغ جل اٹھے ہیں جن کی روشنی سے شیر دُلدُل اور تابوت پرستوں کی آنکھیں چکا چوند ہو رہی ہیں۔

ہم بیچارے ہندی مسلمان عجمی و آریائی پروپیگنڈے کے زیرِ اثر اور عربی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر صدیوں سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ علی اور آلِ علی اہلِ بیتِ رسول ہیں، کیونکہ وہ رسول کی بیٹی سیدہ فاطمہ سے متوسل ہیں۔ حالانکہ یہ خالص آریائی اور عجمی عقیدہ ہے۔ [1]

سامی نسل کی قومیں ہمیشہ سے نسل کو صرف باپ سے منسوب کرتی چلی آرہی ہیں۔ خاص کر آلِ ابراہیم میں بنو اسمٰعیل یعنی عرب تو اپنے پدری نسب

---

[1] آریا معاشرے میں جو ہندوستان سے یورپ تک پھیلا ہوا ہے مادری تہذیب رائج ہے۔ جیسے ملکہ برطانیہ کا شوہر جرمنی سے آتا ہے اور وہ تخت برطانیہ کا انگلش وارث پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارے لحاظ سے وہ جرمن نسل کے بچے ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ فطرت سے اس طرح ہم آہنگ کیا جاتا ہے کہ گائے بھینس گھوڑے بکری میں یہ کون دیکھتا ہے کہ باپ کون تھا اتنا جاننا کافی ہے کہ فلاں کی گائے یا فلاں کی بکری کا بچہ ہے۔ آریائی تہذیب میں عورت کا مرتبہ کیا ہے؟ دیکھنا ہو تو ہماری کتاب "رام راج" ملاحظہ فرمائیے۔

پر فخر کرنے والے مشہور ہیں۔ یہ اپنے خاندانی شجرے سو سو پشت تک زبانی یاد رکھتے تھے، اور بیٹیوں کو ان میں شامل نہ کرتے تھے۔ یہی حال یہود یعنی آل اسحاق کا ہے وہ بھی بیٹی کو اپنے نسب میں شمار نہیں کرتے۔

لیکن جب کوفہ و بغداد کے ماحول میں بنو ہاشم رچ بس گئے اور اسلام کی باگ ڈور مجوسی نژاد علماء وفقہہ حدیث و تاریخ کے ہاتھوں میں چلی گئی تو انہوں نے اپنے مجوسی عقائد کے مطابق رسول مقبول کی نسل ان کی ایک بیٹی سیدہ فاطمہ سے جاری کر دی اور آنیوالی نسلوں کو گمراہ کر دیا۔ پھر انہوں نے ان مفروضہ اہلِ بیت کے خیالی حالاتِ زندگی مرتب کئے اور ہزاروں کتابیں لکھ ڈالیں۔ جو مسلسل پھیلتی رہیں اور اس جھوٹ کو پھیلاتی رہیں۔ جن کا اصل مقصد مسلمانوں کو توحید (اللہ پرستی) سے ہٹا کر شخصیت پرستی اور مردہ پرستی میں مبتلا کرنا تھا۔ اور اس کے اثرات ہمارے سامنے ہیں۔ ہمارا مولوی بھی کہتا ہے کہ ذکرِ حسین عبادت ہے۔ جبکہ سچے مسلمان کے لئے صرف ذکرِ اللہ کافی ہے۔

لیکن اب وہ زمانہ آ گیا ہے جس کا قرآن حکیم نے وعدہ فرمایا تھا۔

یومئذٍ تحدث اخبارھا و قال الانسان مالھا

یعنی جب چھپی ہوئی باتیں کھول دی جائیں گی اور انسان کہے گا یہ کیا ہو رہا ہے۔"

چنانچہ اللہ کے بندے جھوٹ سے بیزار ہو کر سچ کی تلاش میں ہیں۔

وہ مجھ جیسے بے علم سے پوچھتے ہیں، کیا عباسی کا کام دھورا رہ جائے گا؟ کیا تحقیق کا دروازہ بند ہو جائے گا؟ کیا تم باطل کے شور وشر سے ڈر جاؤ گے شاگرد بنے تھے تو حق شاگردی ادا کرو!

آج دنیا کے حالات دگرگوں ہیں، یورپ امریکہ روس اور چین میں معاشرہ کروٹیں لے رہا ہے۔ شیطانی طاقتوں میں انتشار پیدا ہو چکا ہے تو ہم

پاکستان کا کیا رونا روئیں

ہمارے سات کروڑ مسلمان بھائی سازش کے تحت ہم سے جدا کر دیئے گئے، مابقی میں چار قومیتوں کا زہر گھول دیا گیا، ہر علاقے میں مقامی اور غیر مقامی کا احساس پیدا کر کے نفاق و فساد ڈال دیا ہے۔ جس سے سن آف دی سوائل نیو سندھی، نیو پنجابی کی اصطلاحات نے جنم لیا ہے۔

اب ایک طرف سے صدائیں بلند ہو رہی ہیں کہ یہ ملک خالص اور اصلی پاکستان بن گیا ہے۔ یعنی عراق و ایران کی طرح یہ ایک تیسرا پاک ملک بنکر ابھر رہا ہے۔ ؎ این ہمہ آوردۂ لشت

اور دنیا حیران ہے کہ جو کام سکندر مرزا، جنرل موسیٰ اور آغا یحیٰ نہ کر سکے وہ ان کے جانشینوں کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے۔ وہ بھی اس خوبی سے کہ ان کے ددھیال، ننہیال اور سسرال سب ہی خوش ہیں۔ چنانچہ ریڈیو اور ٹیلیویژن سے کھلے بندوں تبرا بازی شروع ہو گئی ہے۔ اسلام سے بیزاری کا برملا اعلان ہو رہا ہے۔ اسلامی لٹریچر جلایا جا رہا ہے۔ تحقیق اور اصلاحی کتابیں ضبط کی جا رہی ہیں۔ توحید کی تبلیغ پر قدغن لگا دیا جاتا ہے مشرکانہ باطنی خرافات کانوں میں گھولی جا رہی ہیں۔ وزراء و عمالِ حکومت شیعیت کا پرچار اور ذاکری کی خدمات انجام دیتے پھرتے ہیں، علی ازم اور

؎ (نوٹ) یعنی ایک شیعہ ریاست! یہ نام یقیناً سوچ سمجھ کر رکھا گیا تھا۔ از روئے

بقیہ حاشیہ:۔ لغات فارسی شیعہ کے معنے پاک بتلائے جاتے ہیں، شیعستان نام رکھا جاتا تو ہمارے جاہل عوام بھی قبول نہ کرتے۔ اسلئے اس کا ترجمہ پاکستان کیا گیا یعنی پاک لوگوں کا ملک۔ یہ نام آغا خان کو بیحد پسند تھا۔ وہ اس کے صدر یا گورنر جنرل

بقیہ حاشیہ:۔ بننا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی قائم کردہ مسلم لیگ نے اسے حاصل کیا تھا۔

حسینیت زوروں پر ہے۔ پریس ٹرسٹ اور پریس آرڈیننس ان کے ہاتھوں میں ہے، اور ابلاغِ عامہ کے تمام وسائل پر ان کا قبضہ ہے۔ انہوں نے ہماری مارشل ریس کی ہوا نکال کر اس کو ناچنے گانے میں لگا دیا ہے۔ ہمارے مقبروں اور مزاروں کے لیئے طلائی در سسرال سے آرہے ہیں۔ تاکہ لوگ مکہ اور مدینہ کو بھول کر انہی مقامات کی زیارتیں کرتے رہیں۔ اور اس سب کا نام اسلامی سوشلزم رکھا گیا ہے۔ جس کے داعی ایک سرخ مولوی صاحب ہیں جو شاید مدت العمر قربانی کی کھالیں ڈھوتے ڈھوتے سرخ ہو گئے ہیں۔ آپ امام باڑوں جماعت خانوں اور

خانقاہوں کے چکر لگاتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو دعوتِ اتحاد و اخوت دیتے ہیں مگر اپنے میزبانوں کو مسجدوں کی طرف نہیں بلاتے، ظاہر ہے کہ مسجدوں میں نذر نیاز دعوت و تاک کے مزے کہاں وہ کیوں آئیں گے۔

بہر حال وہ اپنا کام کر رہے ہیں، ہم اپنا کام کرتے ہیں اور تعمیل حکم میں سب سے پہلے سیدہ سکینہ بنت حسین کی حیات طیبہ سے کذب و افترا کی گرد جھاڑنا شروع کرتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

کراچی جولائی ۱۹۷۵ء

عزیز احمد صدیقی

شجرہ نسب بنو ہاشم و بنو امیہ

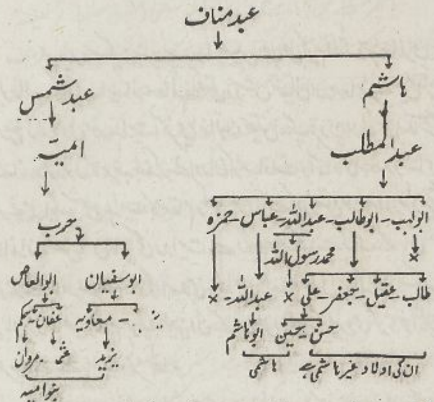

نوٹ :- ہاشمیت کا دعویٰ آل ابوطالب نے کیا لعد کو آل عباس نے اسی حربے سے بنوامیہ اور آلِ علی کا خاتمہ کردیا۔ عباسیوں کی نسبت ابوہاشم بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے تھی نہ کہ ہاشم بن عبد مناف کا فرسے۔

تابوتِ سکینہ کی حقیقت

سیدہ سکینہ بنتِ سیدنا حسین ابنِ علی کرم اللہ وجہہٗ خاندانِ ابوطالب کی ایک مایہ ناز، عالم فاضل روشن خیال اور معاشرے میں ممتاز مدبر زندہ دل اور ہدایت آفرین خاتون تھیں۔ آپ قرونِ اولیٰ میں معاشرے کے اندر عورتوں کا مرتبہ بلند کرنے اور ان کو مساوات و آزادی سے روشناس کرنے میں ایک شمع ہدایت کا مقام رکھتی ہیں۔ آپ کی روشن خیالی اور ہردلعزیزی کا انداز محض اس تاریخی روایت سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے بال گوندھنے کا طریقہ اس دور کی اسلامی دنیا میں ایسا مقبول ہوا کہ طرۂ سکینہ زباں زدِ خاص و عام ہوگیا۔ یعنی ان کے ہر فعل و عمل کی پیروی کرنا خواتینِ عرب کے لئے باعثِ فخر تھا۔

آپ نے اسلامی معاشرے میں اپنی ذہانت و ذکاوت سے اور بھی بہت سے اثرات چھوڑے ہیں جو آج کے مسلمانوں کی جاہلانہ رسوم پردہ کو (یعنی ان کے ڈھیلے یا تنگ برقعے، ان کے سیاہ و سفید نقاب اور ان کی بلند چاردیواریاں جن میں عورتیں جانوروں کی طرح مقید زندگی گذارنے پر

مجبور ہیں) منہ چڑاتے ہیں۔

مگر افسوس کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی شخصیت کے بارے میں جو ہماری عورتوں کے لئے ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمیں صرف اسقدر بتلایا جاتا ہے کہ ؎

خیمے میں شور اٹھا کہ سکینہ بھی کھو گئیں
وہ جا کے اپنے باپ کے لاشے پہ سو گئیں

یا پھر سننے میں آتا ہے کہ لٹا پٹا قافلہ حسینی دمشق پہنچا۔ تو خلیفۂ وقت یزید کے سامنے پیش کیا گیا۔ یزید نے پوچھا یہ لڑکی کس کی ہے۔ زینب نے جواب دیا یہ میرے بھائی حسین ابن علی کی لڑکی ہے۔ یزید نے حکم دیا، اسے زنداں میں ڈال دو، جہاں وہ بھوک پیاس سے بلک بلک کر مر گئی (ترابی)

نعوذ باللہ کیسا سفید جھوٹ اور کس دلیری سے بولا جاتا ہے، اور غیور مسلمانوں کی قوم کی قوم جو دانشوروں اور عاقلوں سے بھری پڑی ہے اسے سنتی ہے اور شرم سے مرتی نہیں۔

آپ کا چھوٹا سا تابوت ہر سال محرم میں نکالا جاتا ہے اور گلی گلی کوچے کوچے گھمایا جاتا ہے، اس پر خون کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں۔

یہ جنازہ کس خوشی میں نکلتا ہے! ہمیں نہیں معلوم۔ شاید علی ازم، حسینیت اور اسلام میں اتحاد کے لئے مظلومانِ کربلا کا جنازہ نکالنا ضروری ہے تو خیر ہمیں کوئی اعتراض نہیں، ان کو مبارک ہو بلکہ یہ سب مسلمانوں کا جنازہ نکال دیں تو اور اچھا ہے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

کسی شیعہ شاعر نے کیسی سچی بات کہدی ہے۔ ؎

بشکست عمر پشت ہزبراں عجم را
برباد و فنا داد رگ و ریشۂ جم را

ایں عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست
باآلِ عمر کینہ قدیم است عجم را

سیدہ سکینہ کی پیدائش

عرب معاشرے میں پیدائش و وفات کی تاریخوں کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی تھی، چنانچہ مسلمان عموماً اپنے بچوں کی تاریخِ پیدائش نہیں لکھتے، قائدِ اعظم کی صحیح تاریخ پیدائش مشتبہ ہے، اس کی کئی وجوہ ہیں، اول تو سامی نسل کے لوگ شخصیت پرستی اور مردہ پرستی کی لعنت سے بری تھے، دوسرے وہ آریائی نسل کے باطنی علوم یعنی نجوم، رمل، جفر، دست شناسی اور زائچہ کشی وغیرہ سے نابلد تھے، پھر اسلام نے ان کو اِن علوم سے اور بھی متنفر کر دیا، ان کو حکم ملا تھا۔ سہ

یاایھاالذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام
رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ

اے ایمان والو شراب جُوا پانسہ قرعہ اندازی اور فال نکالنا سب گندے اور پلید کام ہیں جو شیطان سکھاتا ہے۔ پس ان سے پرہیز کرو۔

چنانچہ مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں نہ تاریخیں لکھیں نہ یادگاریں منائیں، نہ سال گرہ مناتے نہ برسیاں کرتے، ظاہر ہے کہ اللہ کو پوجنے والے مردوں کو نہیں پوج سکتے تھے۔ برخلاف ان کے آریہ نسل کے مجوسی آتش پرست چھتری اور برہمن وغیرہ بچے کے پیدا ہوتے ہی موگوش یا پجاری کو بلا کر اس کا زائچہ یا جنم پتری بنوا لیتے، جس میں پیدائش کا وقت، گھڑی، ساعت، دن مہینہ اور سال لکھا جاتا، نیز اس میں بچے کی آئندہ زندگی کا حال بھی بطور پیشگوئی درج کر دیا جاتا، اور یہ جنم پتری اس کے گلے میں ڈال دی جاتی، پھر انہی تاریخوں میں سال بہ سالی اس کی سال گرہ منائی جاتی۔ اور مرنے کے بعد اس کی برسیاں مناتے جن میں شیرہ، پوری، لڈو اور دودھ جلیبی، یا صرف دال بھات کھلایا

جاتا، اور سب موزے مناتے، ہندی مسلمانوں کا فاتحہ، قل، تیجہ، چالیسواں سب انہی کی سنت ہے۔

اور یہ بھی قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ آلِ ابو طالب کو عجمی مجوسوں کی ہمدردیاں حاصل ہوگئیں اور انہوں نے اہلِ بیت حسین پر خاص توجہ مرکوز کردی، ان میں سے انہوں نے پنجتن بنائے بارہ امام نکالے، چودہ معصومین مقرر کئے، اور اس طرح اپنے آبائی علوم کو اسلام میں سمو دیا۔ پھر اللہ واحد کے پرستاروں کو جمشید کی جگہ شیر خدا حیدر اور لعل دیوتا کی جگہ (جسے وہ لعلی پکارتے تھے) یا علی کے نعرے سکھا دیئے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب ارمغانِ عجم اور رام راج)

چنانچہ اہل بیت حسین کے ہر فرد کی جنم پتریاں بنی ہوئی ہیں، یعنی ہر فرد کی تاریخ پیدائش اور وفات ان کے پاس لکھی ہوئی موجود ہے۔ وہ ہر واقعہ کو دن، تاریخ اور سال کے حوالے سے اس طرح لکھ دیتے ہیں گویا وہ اور ان کے اسلاف وہاں اپنی ڈائریاں لئے بیٹھے تھے۔ اور لکھتے جاتے تھے۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اس درجہ بھولے تھے کہ کسی نے سوچنے کی بھی زحمت گوارہ نہ کی کہ وہ تاریخیں اور واقعات حقائق سے مطابقت رکھتے بھی ہیں یا نہیں۔ چنانچہ سیدہ سکینہ کی پیدائش و وفات اسی طرح کا ایک معمہ ہے، بلکہ عجمی دروغ بافی کا شاہکار ہے۔

ذاکرین حضرات فرماتے ہیں کہ پانچ سال کی تھیں جب سانحہ کربلا پیش آیا آپ جاکر اپنے پدر بزرگوار کی سر بریدہ لاش سے چمٹ کر سو رہیں۔ زینب آپ کو سارے مقتل میں ڈھونڈتی پھریں اور سکینہ او سکینہ کے نعرے لگاتی رہیں۔ تو شہید نا حسین کے جسد بے سر سے آواز آئی "سکینہ میرے پاس سو رہی ہے۔ آہستہ بولو جاگ جائے گی۔" جب کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت

آپ کی عمر سترہ ۱۷ اٹھارہ ۱۸ سال کی تھی، سنہ وفات کی رُو سے جو ۱۱۷ھ میں بعمر ۸۱ سال تبلائی جاتی ہے آپ اس وقت ۲۴، ۲۵ سال کی شادی شدہ بلکہ کئی بچوں کی ماں ثابت ہوتی ہیں۔

ہم اسی گورکھ دھندے کو سلجھانے کے لئے یہ کتابچہ لکھ رہے ہیں۔ ہم نے اس کی تیاری میں محترمہ طیب بیگم جونپوری کے رسالے سے استفادہ کیا ہے۔ جو لکھنؤ سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا۔

سیدہ کا نام

کہتے ہیں کہ سیدنا حسین نے آپ کا نام امیمہ تجویز کیا تھا، مگر والدہ مشفقہ نے پیار سے انہیں سُکینہ پکارنا شروع کر دیا۔ جس کے معنی ہیں دل کو تسکین دینے والی۔ بعد کو یہی عرفیت شہرت پاکر سکینہ ہو گئی جو غلط ہے صحیح لفظ سُکینہ ہے۔

سیدہ کی والدہ

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام رباب بنت امرالقیس تھا، کہتے ہیں امرالقیس عرب قبیلہ کلب کا ایک نامور عیسائی رئیس تھا، جو امیرالمومنین عمر فاروق کے دور خلافت میں مفتوح ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ روایت ہے کہ قبول اسلام کے بعد امرالقیس اپنے اہل بیت کے ساتھ وطن جانے لگا تو سیدنا علی بن ابی طالب نے اس کی تالیف قلب کے لئے اس کی دو بیٹیوں کو اپنے بیٹوں کے لئے مانگ لیا۔ اور امرالقیس نے اس رشتہ کو باعثِ افتخار سمجھ کر فوراً قبول کر لیا۔ چنانچہ بڑی لڑکی سلمہ سیدنا حسن اور چھوٹی لڑکی رباب سیدنا حسین کے حبالۂ عقد میں آگئی "شہداء کربلا" جلد ۳ صد ۱۳۷ مولفہ علی نقی نقوی لکھنوی، لہ

لہ - ایک روایت میں امرالقیس کی ایک بیٹی سیدنا علی مرتضیٰ کے حرم میں بھی تبلائی جاتی ہے۔ جس کا نام محیات بنت امرالقیس درج ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ اپنے بیٹوں کے ہم زلف بھی تھے۔

سیدہ سکینہ کی والدہ رباب بڑی نیک دل اور خوش اخلاق خاتون تھیں، ان کی پرورش ایک شائستہ اور مہذب عیسائی ماحول میں ہوئی تھی، آپ خوبرو اور فرماں بردار بھی تھیں، اسلئے سیدنا حسین کو وہ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ نقوی صاحب لکھتے ہیں کہ سیدنا حسین نے ان کی محبت میں کچھ شاعری بھی فرمائی تھی۔ ان کے اشعار کا ترجمہ ہے:۔

قسم ہے خدا کی مجھے وہ گھر پسند ہے
جس میں سکینہ و رباب رہتے ہیں
مجھے دونوں سے محبت ہے
میں اپنا مال ان پر صرف کرتا ہوں
اگر اس پر مجھے کوئی ٹوکے
تو میں ٹوکنے والے کی پرواہ نہیں کرتا

نقوی صاحب فرماتے ہیں :۔

"سیدنا حسین کو ان کے بڑے بھائی سیدنا حسن نے مشورہ دیا تھا کہ رباب کو حد سے زیادہ خرچ نہ دیا کرو، ورنہ وہ بچی کو بھی فضول خرچ بنا دیگی یہ اسی مشورے کا جواب تھا۔"

ان اشعار سے پتہ چلا کہ سیدہ سکینہ اپنے بڑے ابا سیدنا حسن کی زندگی میں اتنی بڑی ہو چکی تھیں کہ وہ آپ کی تربیت کی طرف سے متردد رہتے تھے۔ اس کی وجہ آگے معلوم ہوگی۔

اب چونکہ سیدنا حسن کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی اور سانحۂ کربلا ۶۱ھ میں پیش آیا یعنی بارہ سال بعد تو اس وقت سیدہ سکینہ کا پانچ سال کا ہونا خود شیعی روایت سے غلط ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ بچی سیدنا حسن کی زندگی میں تربیت کے قابل ہو چکی تھی۔ یعنی پانچ چھ سال کی ہوگی بلکہ زیادہ جب ہی تو وہ چاہتے تھے کہ

ان کی ہونے والی بہو ماں کی طرح فضول خرچ نہ بنے۔ پس سیدنا حسن کی وفات کے بارہ سال بعد سانحۂ کربلا کے وقت آپ کی عمر سترہ اٹھارہ سال ہو جاتی ہے۔ اگر سیدنا حسین اور رباب کی شادی جو ۱۶ھ میں سیدنا عمر فاروق کے دورِ خلافت میں ہو چکی تھی کو نگاہ میں رکھیں تو سیدہ سکینہ کی پیدائش اس سے بھی پہلے ہو سکتی ہے، اور ان کا نہ صرف شادی شدہ ہونا بلکہ چند بچوں کی ماں ہونا بھی یقینی ہو جاتا ہے۔

پس جو کچھ مجالسِ محرم میں بیان کیا جاتا ہے اس کا مقصد محض اسلامی رام لیلا میں رنگ بھرنا ہے اور شیعہ حضرات کے دلوں میں بنو امیہ، عربوں اور عام سنی مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کے جذبات ابھارنا اور نفرت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور یہی مولوی کا ذریعہ معاش ہے، یعنی وہ اسی کی کھاتا ہے اور اپنے سامعین کو بیوقوف بنا کے کھاتا ہے۔ اسے صحیح واقعات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا،

سیدہ کی تربیت

سیدہ سکینہ کی تربیت اسلام کے عروج کے زمانے میں جہاں افروز اور ہدایت آفرین ماحول میں ہوئی۔ اس لئے آپ کا علم و فضل میں طاق ہونا عجب نہیں نیز ماں کی طرف سے ایک روشن خیال مہذب اور خوشحال گھرانے میں پلی ہوئی عیسائی خاتون کی نگرانی نے اس میں چار چاند لگا دیئے، اسی وجہ سے ان میں دینی اور اسلامی سوجھ بوجھ کے علاوہ عربی ادب سے گہری دلچسپی فنون لطیفہ سے شغف، شعر و شاعری اور موسیقی سے فطری لگاؤ، اور تمدن و تہذیب کے ارتقاء کے لئے جد و جہد کی صلاحیت بھی ودلیعت ہوئی ہوگی جسے ہم مادری ورثہ کہہ سکتے ہیں۔

سیدہ کا نکاح

سیدہ سکینہ اور ان کی بڑی بہن سیدہ فاطمہ کی شادیاں ان کے بڑے بابا سیدنا حسن کی خواہش کے مطابق ان کے بیٹوں حسن مثنیٰ بن حسن اور عبداللہ بن حسن سے ہوئیں، عبداللہ بن حسن

کی کنیت ابوبکر تھی جس سے معلوم ہوا کہ سیدہ سکینہ ان سے صاحبِ اولاد بھی ہو چکی تھیں، اور یہ بات سانحۂ کربلا سے پہلے کی ہے۔

ان نکاحوں کا ذکر علی نقی نقوی نے کیا ہے۔ امام حسن نے آخری وقت اپنے چھوٹے بھائی امام حسین سے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے بڑے صاحبزادے حسن مثنیٰ کا امام حسین کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ اور ان کے چھوٹے فرزند قاسم کا عقد ان کی چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ کیا جائے۔
(شہداء کربلا جلد ۳ ص ۷۳)

یہاں نقوی صاحب نے ازراہِ تقیہ سیدنا حسین کی صاحبزادیوں کے نام نہیں بتائے تاکہ سیدہ سکینہ کی بعمر ۵ یا سات سال زندانِ شام میں بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرنے کی روایات پر پردہ پڑا رہے۔ تاہم یہ اعتراف کر لیا ہے کہ سیدنا حسین نے اس وصیت کے مطابق اپنی دونوں بیٹیاں جنہیں سیدنا حسن نے اپنے بیٹوں کے لئے پسند فرمایا تھا بیاہ دیں۔ شیعی مورخ ناسخ التواریخ لکھتا ہے۔

پسر پنجم امام حسن علیہ السلام عبداللہ بن حسن است کہ مکنی بہ ابوبکر بود حسین علیہ السلام دختر خویش سکینہ را از برائے او تزویج کرد۔

ترجمہ:۔ سیدنا حسن کا پانچواں بیٹا عبداللہ جس کی کنیت ابوبکر تھی حسین نے اپنی بیٹی سکینہ کا اس سے نکاح کر دیا تھا۔

سیدہ سکینہ کربلا میں

میدانِ کربلا میں سیدہ سکینہ نے ایک شادی شدہ خاتون بلکہ ایک دو بچوں کی ماں کی حیثیت سے اپنے والد ماجد کے ساتھ اپنے خاندان کے اٹھارہ افراد کو بے جگری سے لڑتے اور مرتے دیکھا اور صبر کیا۔ ان میں آپ کے شوہر عبداللہ

بن حسن اور قاسم ان کے دیور بھی شامل تھے ۔ یہ دونوں بھائی اپنے چچا سیدنا حسین کی مدافعت کرتے ہوئے شہید ہوگئے ۔

اس پر مستزاد یہ کہ بے حیا اور سفاک کوفیوں نے قافلۂ حسینی کے مردوں کو شہید کرنے کے بعد مخدرات عصمت کی بے حرمتی بھی کی ان کا مال و اسباب لوٹ لیا اور خیموں میں آگ لگا کر بھاگ گئے ۔

نقی صاحب لکھتے ہیں :-

"عبداللہ بن حسن (سیدہ کے شوہر) نے چودہ آدمی (شیعان کوفی) قتل کئے ، آخر ہانی بن شبیب حضرمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے ۔"

(شہدائے کربلا جلد ۲ ص ۶۹)

ان شیعی روایتوں سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ قافلۂ حسینی پر حملہ کرنے والے کوفی مجوسی زادے تھے نہ کہ شامی یا عرب ۔ اسی وجہ سے سیدہ سکینہ کو کوفیوں سے سخت نفرت تھی ۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کے دادا سیدنا علی باپ سیدنا حسین اور شوہر عبداللہ بن حسن اور دیگر عزیز و اقارب کو قتل کرنے والے وہی شیعانِ علی تھے ۔ جو کوفے میں آباد تھے ۔

"روضۃ الاصفیا" کی یہ روایت سنیے :-

ایک بار چند کوفی جو خود کو شیعانِ علی کہتے تھے ، حج کے لئے آئے تو مدینہ بھی گئے ، اور سلام کرنے کے لئے سیدہ سکینہ کی خدمت میں پہنچے آپ نے کوفیوں کو دیکھا تو صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ، نہ سخت سست کہا نہ دروازے سے دھتکارا ، تاہم صاف الفاظ میں کہدیا کہ :-

"اے اہل کوفہ خدا علیم و دانا ہے کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے ، تم ہی وہ غدار لوگ ہو جنہوں نے میرے باپ بھائی اور شوہر کو بیگناہ قتل کیا ، اور جب تمہارا یہ حال ہے تو مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو ۔

یہ باتیں تمام شیعی کتب میں تھوڑے رد و بدل کے ساتھ لکھی جاتی ہیں مگر اس طرح توڑ مروڑ کر کہ عام مسلمان یہ سمجھنے سے عاری رہتے ہیں کہ کوفی شیعانِ علی اور شامی عربوں میں کیا فرق ہے۔ وہ سب کو مسلمان سمجھتے ہیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ اور اہل کوفہ کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے۔

کوفہ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں آباد کیا، عراق میں یہ مقام حجاز، شام اور ایران کی سرحدوں کو قابو میں رکھنے کے لئے بے حد اہم تھا۔ اس لئے اسلامی فوجوں کی چھاؤنی بنا دیا گیا۔ فوجوں کی وجہ سے کاروباری لوگ بھی آکر وہاں آباد ہو گئے۔ جن میں عراقی، ایرانی اور خراسانی لوگ زیادہ تھے۔ جو ماوراء النہری کہلاتے تھے، یہ لوگ آتش پرست تھے۔ سورج اور شیر کو پوجتے تھے۔ مجبوراً اسلام قبول کیا تاکہ جزیہ نہ دینا پڑے، مگر چند برس بعد عبداللہ بن سبا یہودی نے وہاں شیعت کی تبلیغ کی تو ساری آبادی شیعانِ علی بن گئی۔

چنانچہ شیعی مورخ لکھتا ہے:-

"۳۶ھ میں جناب امیر نے سیاسی اور روحانی مصالح کے تحت کوفہ کو اپنا صدر مقام بنایا تو کوفہ اپنے حقیقی اور کچھ نام نہاد شیعان اہل بیت سے چھلک رہا تھا۔"

جنگِ جمل اور صفین میں اہل کوفہ پیش پیش تھے۔ پھر معاویہ نے زیاد بن سمیعہ کو مسلط کر دیا، جس نے ان کو مظالم کا تختۂ مشق بنایا تو یہ اہل کوفہ اور اطرافِ کوفہ میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ مگر معاویہ کا انتقال ہوا تو یہ پھر سرگرمِ عمل ہو گئے۔ شیعہ محرم نمبر

چنانچہ خطباتِ امام زین العابدین میں جو شیعہ کتب میں محفوظ

ہیں یہ شکایت پھر سنائی دیتی ہے۔

"کیا تم جانتے نہیں کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھ کر بلایا اور تم نے ان سے عہد و پیمان کیے، پھر تم نے ان کو چھوڑ دیا، پس تمہارے لئے ہلاکت ہے۔ تمہاری رائے بُری تھی۔ تم رسولِ خدا سے کیسے آنکھ ملاؤ گے جب وہ پوچھیں گے کہ تم نے میری عترت کو قتل کیا اور میری ہتک حرمت کی۔ پس تم میری امت میں نہیں۔"

اس وقت ہر طرف سے لوگوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک نے دوسرے سے کہا ہم ہلاک ہو گئے۔ ہم نے برا کیا۔ (شیعہ محرم نمبر ۱۳۹۳ھ لاہور)

یہ توابین دراصل وہی مجوسی نژاد آریہ تھے جو مسلمانوں سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے اسلام کا لبادہ پہن کر کوفے میں جمع ہو گئے تھے۔ اور خود کو شیعانِ علی ظاہر کرتے تھے۔ دراصل ان کا مقصد مکاری سے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان کا زور توڑنا تھا۔ اتفاق سے سیدنا علی ان کے جھانسے میں آگئے اور بیس سال بعد ان کے بیٹے سیدنا حسین نے دھوکہ کھایا اور مسلمانوں کے ساتھ اپنا بھی نقصان کر لیا، کیونکہ مجوسوں کو ان سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور ان کی ذریت کو آج بھی نہیں ہے۔

سانحہ کربلا کا پس منظر

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کربلا کا واقعہ شیعی روایات کے بین السطور سے حاصل کر کے ایک دفعہ پھر دہرا دیا جائے۔

خال المسلمین سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیس سالہ دورِ خلافت میں عراقی شیعانِ علی دبکے بیٹھے رہے۔ ان کی آنکھ بند ہوتے ہی انہیں پھر کسی غافل کی تلاش ہوئی جو ان کے دھوکے میں آکر ان کے ساتھ ہو جائے۔

انہوں نے حضرت حسین کو کئی سو خطوط لکھے اور خوب سبز باغ دکھائے باغ تیار ہیں پھل پک گئے ہیں ہاتھ بڑھانے والے کی ضرورت ہے۔ عروس خلافت اپنے دولہا کی منتظر ہے۔ پھر حج کے بہانے ساٹھ ستر کوفیوں کو بھیجا جو سیدنا حسین کو ورغلانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور وہ عروس خلافت کے حصول کے کے لئے دولہا بن کر برات کے ساتھ ہو لئے۔ اور اپنے اہل بیت کو بھی لیتے گئے کوفے سے چند منزل پہلے آپ کو پتہ چلا کہ حاکم کوفہ بدل گیا ہے اور نئے حاکم کو اس سازش کا پتہ چل گیا ہے۔ چند کو اس نے سزا بھی دیدی ہے اور باقی کا منتظر بیٹھا ہے۔ اب سیدنا حسین کو خیریت اسی میں معلوم ہوئی کہ سیدھے اپنے بھائی یزید کے پاس جاکر معذرت کرلیں اور قصہ رفع دفع ہو جائے۔ چنانچہ قادسیہ سے آپنے اپنے قافلے کی باگیں موڑ دیں اور شمال کی طرف بڑھنے کے بجائے مغرب کی طرف چل پڑے۔ عباسی صاحب نے پہلی بار نقشہ دیکھ سمجھایا تو لوگوں کو معلوم ہوا ....

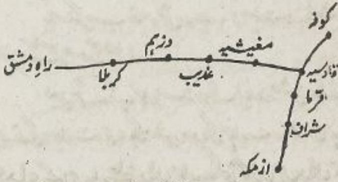

کہ کوفے کو جانے والا قافلہ کربلا کیسے پہنچ گیا کربلا تو کوفے اور دمشق کی راہ میں ہے۔ اب آپ کے کوفی ہمراہی گھبرائے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی کہ قافلے کو روکیں۔ مگر سیدنا حسین نہ مانے تو انہوں نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ کوفے اطلاع بھیجی کہ حسین ہاتھ سے نکلے جاتے ہیں وہ دمشق جارہے ہیں۔

کوفیوں نے فوراً حر بن یزید ریاحی کو چند آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ حُر نے قافلۂ حسین کو کربلا میں جا لیا اور واپسی پر اصرار کرنے لگا۔ اس واقعہ کو شیعی روایت میں سنیئے :۔

حضرت حسین کا تیسرا خطبہ حُر کے لشکریوں کو

جب حر کا لشکر آیا اور اس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد خطبہ دیا۔ ترجمہ :۔

"اے لوگو! میں تمہارے پاس نہیں آیا جب تک میرے پاس تمہارے خط اور تمہارے پیغامبر نہ آئے، جنہوں نے مجھ سے التجائیں کیں کہ میں تمہارے پاس آؤں۔ کیونکہ تم میں کوئی امام نہیں ہے۔ اور یہ کہ شائد اللہ تمہیں مجھ سے ہدایت اور حق پر جمع کرے۔ پس تم وہ عہد و پیمان دو جن سے میں مطمئن ہو جاؤں۔ اور اگر تم یہ نہ کرو اور میرے یہاں آنے کو برا سمجھو تو میں یہیں سے اس جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے آیا ہوں۔"

یہ سنکر سب خاموش رہے۔ (ہفت روزہ شیعہ لاہور محرم نمبر ۱۳۹۲ھ ص ۱۵۴)

یعنی حُر نے آپ کا راستہ روک لیا نہ دمشق جانے دیا نہ مکہ واپس ہونے کی اجازت دی، بلکہ مشورہ دیا کہ ہمارے ساتھ ان پہاڑیوں سلمیٰ و آجاء کے اس پار چلیئے وہاں ہمارے کئی گاؤں ہیں وہاں ہم بیس ہزار مسلح جوان جمع کر کے ابنِ زیاد کا مقابلہ کریں گے۔

سیدنا حسینؓ یقیناً صفین و جمل اور پھر ساباط کے معرکوں میں ان مجوسی زادوں کی بہادری کے جوہر دیکھ چکے تھے کہ عین موقع پر دھوکہ دینا اور بھاگ کھڑا ہونا ان کا قومی شیوہ تھا۔ ان کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئے۔

عمر نے مطالبہ کیا کہ آپ جاتے ہیں تو جایئے مگر وہ خطوط جو اہل کوفہ کے آپ کے پاس ہیں ہم کو دیتے جایئے۔ کیونکہ ان خطوط کا یزید کے ہاتھوں میں پڑنا ہمارے چوٹی کے لیڈروں کے لئے پروانۂ موت بن جائے گا۔

حضرت حسین نے وہ خطوط دینے سے انکار کر دیا تو جنگ شروع ہو گئی،

حسینی قافلے میں صرف اٹھارہ افراد اہل بیت حسین کے تھے۔ باقی کوفی شیعانِ علی تھے جو حُر کے ساتھ ہو گئے۔ مگر اٹھارہ افراد جی چھوڑ کے لڑے اور مرنے سے پہلے پچاس ساٹھ کوفیوں کو فی النار والسقر کر گئے۔ جن میں چودہ تو بقول نقوی صاحب تنہا عبداللہ بن حسن شوہر سکینہ نے مارے جب سب مرد کام آ گئے تو مجوسی زادوں نے خطوط کی تلاش میں خیام مخدرات پر ہلہ بول دیا۔ لیکن زنانِ ہاشمیہ نے بھی تلواریں سنبھال لیں اور مزاحمت شروع کی تو بدقماش کوفیوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا اور خیموں میں آگ لگا دی تاکہ خطوط تلف ہو جائیں اور بھاگ گئے۔

کوفے کو واپسی اب قافلۂ حسینی میں کوئی مرد نہ بچا تھا، صرف عورتیں رہ گئی تھیں تو سیدہ زینب نے کمان سنبھال لی، آپ نے مقتل کا جائزہ لیا، وہاں علی بن حسین جنہیں روافض عابد بیمار اور ایک چھوٹا سا بچہ ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ پچیس سالہ نوجوان اور دو بچوں کے باپ تھے، زخموں سے چور سسکتے اور کراہتے ملے۔ سیدہ زینب انہیں اٹھا کر لائیں سب عورتوں نے مل کر ان کے زخم دھوئے اور مرہم پٹی کی تو وہ ہوش میں آ گئے۔ پھر فیصلہ کیا گیا کہ یہ عورتوں کا قافلہ دمشق نہیں پہنچ سکتا جو آٹھ سو میل دور ہے۔ اس لئے پہلے عاملِ کوفہ سے مل کر امداد حاصل کی جائے۔ چنانچہ وہ قافلہ کوفے کی طرف لوٹا۔ جہاں ابن زیاد گورنر کوفہ اور عمر ابن سعد کمانڈر فوج نے ان کی پذیرائی کی۔ سرکاری اعزاز کے ساتھ گورنر ہاؤس میں رکھا ان کے

نقصانات کی تلافی کی یعنی کپڑے زیورات اور اسباب جو کوفی لوٹ لے گئے تھے سب دلائے اور زین العابدین کا علاج شروع کیا ایک فوجی دستہ بھیجا کہ مقتولین کو دفن کریں۔ مگر ظاہر ہے کہ کربلا کوفے سے سو میل دُور تھا اس میں آٹھ دس دن لگ گئے۔ لاشوں کو جنگلی جانور، چیل کوّے کھا چکے اور پہچاننا ناممکن تھا۔ عمر بن سعد نے کل بہتر ڈھانچے جمع لئے اور سب ایک گڑھے میں دفن کر دیئے جن میں اٹھارہ اہلِ بیت حسین تھے اور باقی کوفی شیعانِ علی، کوئی شامی اس معرکے میں ملوث نہ تھا۔ نہ کوئی مرا یا مارا گیا۔ ورنہ روافض ان کے نام لکھتے

جب کوفی مجوسی زادوں کو جو خود کو شیعانِ علی کہتے تھے معلوم ہوا کہ لٹا پٹا قافلہ حسین کوفہ آگیا ہے اور گورنر کے بنگلے میں مقیم ہے تو ماتمی کپڑے پہن کر آہ و بکا کرتے اور سر پر خاک ڈالتے سوگوار خاندان سے ہمدردی جتانے لگے۔۔۔!

اس موقع پر حضرت حسین کی سب سے بڑی بہن سابق زوجہ خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق سیدہ ام کلثوم نے ان مکار مجوسی زادوں سے خطاب کیا اور فرمایا:۔

اے اہل کوفہ! خدا تمہیں تمہارے بُرے اعمال کی بری سزا دے تم نے لختِ جگرِ رسول کریم کو بے یار و مددگار شہید کیا، ان کے اموال کو لوٹ لیا ان کی مستورات کو وہ زخم لگایا جو کبھی مندمل نہ ہوگا۔ پس تمہارے لئے عذاب ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ کسقدر بڑے گناہ کا تم نے ارتکاب کیا ہے اور کونسے خونوں کو تم نے بلا جرم خاک و ریگ میں ملا دیا ہے، اور رسول کی نواسیوں کو تم نے ایذا دی ہے ان کا سر برہنہ کیا ہے ان کے اموال لوٹ لئے ہیں۔

اے کوفیو! تم نے میرے صابر بھائی کو بیکس و بے جرم شہید کیا ہے۔ پس تم پر خدا عذاب نازل فرمائے۔"

کہتے ہیں یہ باتیں سنکر کوفی شیعانِ علی حسب عادت چیخ چیخ کر رونے لگے، آہ و واویلا کی آوازیں بلند کیں، عورتوں نے اپنے سروں کے بال کھول کر خاک ڈالی اور اپنے چہروں اور رخساروں کو پیٹنے لگیں (جسکی تمثیل ہم ہر سال محرم میں دیکھتے ہیں) (ماخوذ از ہفتہ وار شیعہ محرم نمبر ۱۳۹۳ھ)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ایک گہری سازش کے تحت کیا گیا، تاکہ اس کی ذمہ داری بنو امیہ پر ڈالکر مسلمانوں میں ان کے خلاف نفرت کے بیج بو دیئے جائیں۔ چنانچہ روافض یہ روایتیں فخر یہ اپنی مجالس میں سناتے ہیں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ غیر شیعہ یہی سمجھے کہ کوفیوں کو گالیاں دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کا کارنامہ بیان کرتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے اس ہوشیاری سے کام کیا کہ چودہ سو سال میں مسلمانوں کو پتہ نہ چل سکا کہ قاتل کون ہے۔

ابنِ زیاد نے اہل بیت حسین کی دلجوئی کی اور علی بن حسین کا علاج کروایا، جب وہ سفر کے لائق ہوئے تو اپنے بھروسے کے عرب سرداروں کی حفاظت میں انہیں دار الخلافہ روانہ کر دیا۔ آٹھ سو میل کے ریگستانی سفر کے لئے جو زادِ راہ ضروری تھا فراہم کیا جس میں پانی خاص طور سے اونٹوں پر لیجانا پڑتا تھا۔

دمشق میں پذیرائی

اہل بیت حسین کا صرف عورتوں پر مشتمل قافلہ چالیس روز بعد دمشق پہنچا تو محل سرائے خلافت میں کہرام مچ گیا۔ شیعہ مورخ ملا باقر مجلسی کو بھی اعتراف ہے کہ :۔

”یزید کی بیوی ھند بنت عبداللہ بن عامر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی اور بے پردہ دربار میں آگئی۔ یزید نے اپنی بیوی کو اس حال میں دیکھا تو کہا

ہاں رو و اور خوب رو و ۔ قریش کے اس بزرگ کا ماتم کرو۔"

آگے لکھتا ہے کہ :-

"خواتین اہل بیت حسین جن میں سیدہ سکینہ بھی شامل تھیں یزید کے سامنے پیش کی گئیں تو اس نے کہا آپ سب محل میں جائیں۔ تو یزید کی بیوی اور دیگر آل ابو سفیان نے اپنے زیور اتار دیئے اور ماتمی لباس پہن کر نالہ و شیون کی آواز بلند کی، اس آواز سے سارا محل گونج گیا اور تین دن تک محل سرائے شاہی ماتم کدہ بنا رہا۔" (جلاء العیون جلد ا ص ۵۲۶)

اگرچہ یہ شیعی روایت ماتم و عزاداری کے جواز کے لئے گڑھی گئی ہے اور اس میں امیر یزید کے گھر کو محل سرا کہا گیا ہے۔ تاکہ اس کی بادشاہی ملوکیت کا گمان ہو جائے جو غلط ہے۔ بنو امیہ کے کسی خلیفہ نے کوئی محل نہیں بنایا وہ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر اس سے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر یزید اور ان کے اہل بیت کو سیدنا حسین کے اہل بیت سے کوئی قریبی تعلق تھا جبھی اتنا قلق ہوا اور اس رونے پر شک کرنے والا کوئی کافر ہی ہوگا، کیونکہ وہ آپس میں رشتہ دار اور ہم خاندان تھے۔ امیر یزید کی بیوی کا نام ہند نہیں تھا جیسا کہ ملا باقر نے لکھا ہے، ان کا نام ام محمد تھا آپ سیدہ زینب کی سوتیلی بیٹی تھیں، اسی لئے سیدہ زینب نے دمشق میں اپنے داماد کے پاس قیام کیا اور آخر دم تک وہیں رہیں آپ کا مزار بھی وہیں ہے۔

مورخ اسلام شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں :-

"یزید کا پورا خاندان اہل بیت نبوی کا عزیز تھا، جیسے ہی مخدرات عصمت مآب زنان خانے میں داخل ہوئیں، یزید کے گھر میں ایک کہرام مچ گیا" (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۵۹)

اور عبدالرزاق ملیح آبادی لکھتے ہیں :۔

یزید امام حسین کا قریبی رشتہ دار تھا، ہاشم اور عبدالشمس حقیقی بھائی تھے۔ ہاشم کی نسل سے امام حسین تھے اور عبدشمس کی نسل سے یزید یہ پرانا رشتہ تھا۔ دو نئے رشتے موجود تھے۔ یزید کی سگی پھوپھی ام المومنین حضرت ام حبیبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں جو حضرت حسین کی نانی ہوئیں۔ اس رشتے سے یزید امام کا ماموں تھا۔ اس سے بھی زیادہ قریب یہ تھا کہ ابوسفیان کی نواسی امیر معاویہ کی بھانجی لیلیٰ بنت مرہ حضرت امام کی زوجیت میں تھیں۔ آپ کے صاحبزادے علی اکبر انہی کے بطن سے تھے اور کربلا میں شہید ہوئے۔ اس رشتے سے یزید حضرت امام کا سالا اور آپ کے صاحبزادے کا ماموں ہوتا تھا۔ (شہید کربلا و شہادت حسین ص ۱۹۲)

ان رشتوں کے علاوہ بھی چند قرابتیں تھیں جن کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں

یزید کی ایک بیوی ھند بنت عبداللہ جسے دربار میں آکر رونے کی اجازت دی گئی تھی وہ پہلے حضرت حسین کی بیوی رہ چکی تھی۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے :۔

ھند دختر عبداللہ بن عامر جو اس وقت یزید کی بیوی تھی۔ اس سے پہلے وہ شرف زوجیت امام حسین علیہ السلام حاصل کر چکی تھی۔[۱] (جلاء العیون ص ۵۲۶)

یعنی یہ ہند بنت عبداللہ امیر یزید کی زوجیت میں آنے سے پہلے سیدہ سکینہ کی سوتیلی ماں رہ چکی تھیں اور ایکدوسرے سے خاصی مانوس ہونگی۔ آیئے موصوفہ کے کچھ اور حالات سنیں۔ ہند کے والد عبداللہ عامر بن کریز اموی کے

[۱]۔ مگر یہ بات بنائے مخاصمت نہ تھی ورنہ ملا باقر ضرور لکھتے کہ اسی کی بازیابی کے لئے آپ نے سفر کوفہ و دمشق اختیار فرمایا۔

بیٹے تھے۔ عامر کی ماں بیضا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضیٰ کی حقیقی پھوپھی تھیں، گویا حسین رسول اللہ کے نواسے تھے تو حضرت ھند رسول اللہ کے پھپھیرے بھائی کی پوتی تھیں۔ اور ان کی رگوں میں اموی و ہاشمی دونوں خون موجزن تھے۔

پھر ہند بنت عبداللہ کبھی حضرت حسین کے عقد میں تھیں تو حضرت حسین کی بہن خدیجہ بنت علی مرتضیٰ ہند کے بھائی عبدالرحمان بن عبداللہ کے نکاح میں تھیں۔

علاوہ ازیں سیدہ سکینہ کے حقیقی پھوپھا عبدالرحمٰن بن جعفر طیار کی صاحبزادی ام محمد جو سیدہ زینب کی سوتیلی بیٹی تھیں امیر المومنین یزید کے نکاح میں موجود تھیں۔ جن کی وجہ سے سیدہ زینب نے مدینہ جانے سے انکار کر دیا اور اپنے داماد امیر یزید کے ساتھ رہکر دمشق میں زندگی گذارنے کا فیصلہ کر لیا، آپ کا مرقد دمشق میں ہے، اور مرجع خلائق ہے۔ جو جھوٹوں کے منہ پر خاک اڑاتا رہتا ہے۔ جو بنوامیہ کو دشمنِ اہل بیت کہتے ہیں۔

یہ تفصیل اسلئے پیش کرنی پڑی کہ جس گھرانے میں سیدہ سکینہ کے اتنے بہت سے عزیز و اقارب موجود ہوں، وہاں کیسے ممکن تھا کہ ایک چھوٹی سی بچی کو گود میں بٹھانے کے بجائے قید میں ٹھونس دیا جائے اور بھوکوں مار ڈالا جائے۔ مگر ذاکرانِ حسین تو جھوٹ کی کھاتے ہیں، جھوٹ نہ بولیں تو پیٹ کیسے پالیں۔ جو زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے

ظاہر ہے کہ یہ روایت بار بار صرف اسلئے سنائی جاتی ہے کہ عوام کو یہ پتہ نہ چل سکے کہ یزید اور حسین میں اتنی بہت سی قرابت داریاں تھیں اور بنو ہاشم اور بنوامیہ میں کوئی رنجش نہ تھی۔ یہ محض کوئی مجوسوں کی افترا پردازی

تھی کہ اپنی بداعمالی کا وبال یزید اور اس کے عرب عمال کے سر ڈال دیا۔ اور مسلمانوں میں نفرت کے بیج بو دیئے۔ اور ان کی ذریت آج بھی اس کے پھل کھا رہی ہے۔ یعنی مسلمانوں میں افتراق ڈال کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتی ہے۔ سمجھتی ہے کہ مسلمان لڑیں گے تو یہ ملک شیعہ ریاست بن جائے گا۔ مگر ایسا کبھی نہ ہوگا۔ یحییٰ کی طرح دوسرے بھی رسوا ہو کر نکالے جائیں گے۔ جھوٹوں کے دن تو بہ پورے ہو چکے ہیں۔

سیدہ کی واپسی مدینہ اور عقد ثانی

اہل بیت حسین چالیس دن تک امیر المومنین یزید کے مہمان رہکر تحفہ تحائف انعام واکرام سے لدے پھندے مدینۃ الرسول کی طرف روانہ ہوئے حالانکہ خلیفہ خامس کی خواہش تھی کہ وہ سب انہی کے ساتھ رہیں کہتے ہیں یزید نے علی بن حسین زین العابدین سے کہا:۔

"آپ میرے پاس جب تک رہنا چاہیں رہیں میں صلہ رحمی کروں گا (قرابتداری نبھاؤں گا۔ اور آپ کا حق ادا کروں گا۔ اگر آپ مدینہ جانا چاہیں تو وہاں بھیجنے کو تیار ہوں۔

لے بھتیجے میں وہاں بھی تمہارے ساتھ نیک سلوک کروں گا جب بھی آپ لوگوں کو کوئی ضرورت پیش آئے مجھے فوراً لکھئے۔" (طبقات و بلاء العیون)

کہتے ہیں امیر المومنین یزید کے اس حسن سلوک سے علی بن حسین اور سیدہ سکینہ بے حد متاثر ہوئے اور دونوں عمر بھر دعا گو رہے۔ حتیٰ کہ واقعہ حرہ کے موقعہ پر جب اہل مدینہ نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو بقول ابن جریر طبری زین العابدین نے سب سے پہلے اس کی اطلاع امیر المومنین یزید کو دی (طبری جلد ۳ صـ ۳۰۴)

ہمارے ھندو زدہ ہندوستانی معاشرے میں بیوہ کا نکاح معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مگر عربوں میں یہ جہالت نہ تھی۔ اسلام نے عورت کا مرتبہ بلند کر دیا تھا اور اسے بھی مرد کے مساوی حقوق دیدیئے تھے۔ اگر مرد طلاق دے سکتا ہے تو عورت خلع لے سکتی ہے، چنانچہ آپ نے دیکھا ھند بنت عبداللہؓ نے حضرت حسین سے طلاق لی اور امیر المومنین یزید سے نکاح کر لیا۔

چنانچہ سانحہ کربلا میں بیوہ ہو جانے والی اکثر خواتین کے عقد ثانی کر دیئے گئے حتیٰ کہ علی بن حسین نے اپنی والدہ ماجدہ کا نکاح اپنے غلام سے کر دیا۔ (تحقیق مزید) سیدنا حسین کی سب سے بڑی بہن سیدہ ام کلثوم کا نکاح عبداللہؓ بن جعفر سے ہو گیا۔ موصوفہ کا سب سے پہلا نکاح خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق سے ہوا تھا۔ جن سے ایک لڑکا زید بن عمر ہوا۔ مگر وہ عنفوانِ شباب میں شہید ہو گئے۔

اسی دوران سیدہ سکینہ کے عقد کا معاملہ زیر غور تھا۔ کیونکہ آپ کے پہلے شوہر عبداللہؓ بن حسن سانحہ کربلا میں شہید ہو چکے تھے اور آپ کے بھائی زین العابدین کو خاصی فکر لاحق تھی۔ اتنے میں حضرت زبیر بن عوام کے فرزند مصعب بن زبیر کا پیام نکاح آ گیا۔ مصعب بن زبیر بڑے حوصلہ مند فیاض اور بہادر جوان تھے۔ یہ رشتہ فوراً منظور کر لیا گیا۔ کہتے ہیں ایک لاکھ درہم مہر مقرر ہوا تھا۔

مصعب بن زبیر سکینہ بنت حسین جیسی اعلیٰ النسب مقدس اور روشن خیال و ذی علم بیوی پا کر اسقدر خوش ہوئے کہ انہوں نے جناب زین العابدین کو اس نکاح کی منظوری دینے کے صلے میں چالیس ہزار دینار (یعنی اشرفیاں) پیش کیں۔ یقیناً یہ ایک خطیر رقم تھی جو کسی بیوہ کو حاصل کرنے کے لیئے دی گئی مصعب بن زبیر کے بڑے بھائی عبداللہ بن زبیر اس رشتہ کے بعد

دعویدار خلافت ہو گئے۔ آپ نے علم بغاوت بلند کر دیا اور مدینہ میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ پھر مصعب بن زبیر کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ مصعب بڑے اچھے تیر انداز اور ماہر جنگ تھے۔ ان کا مقابلہ اموی گورنر حجاج بن یوسف سے ہوا، کئی دن کی جنگ کے بعد آخر مصعب مارے گئے اور بصرے پر حجاج کا قبضہ ہوگیا تو سیدہ سکینہ پھر بیوہ ہو گئیں۔ مصعب بن زبیر کو سیدہ سے بیحد محبت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جنگ شروع ہوتے ہی انہوں نے سیدہ سکینہ کو مدینہ بھیج دیا۔ تاکہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ انہوں نے بڑے رنج اور افسوس کے ساتھ سکینہ کو رخصت کیا۔ اور دور تک ان کو پیدل چھوڑنے آئے۔

سیدہ بھی مصعب سے بیحد محبت کرتی تھیں، آپ شوہر کی موت کی خبر سنکر بے چین ہو گئیں اتنا سخت صدمہ ہوا کہ بیمار ہو گئیں اور عرصے تک غم سے نڈھال رہیں۔

مصعب کی یادگار ایک بچی تھی جو حسن و جمال اور صورت و سیرت میں ماں سے بیحد مشابہ تھی۔ آپ نے اس کا نام نانی کے نام پر رباب رکھا تھا بعد کو اس لڑکی کا نکاح اپنے چچا عروہ بن زبیر مشہور محدث مدینہ کے بیٹے سے کیا جس کا نام عثمان بن عروہ تھا۔ لیکن رباب زیادہ دن زندہ نہ رہیں، عنفوانِ شباب میں داغِ مفارقت دے گئیں۔

تیسرا نکاح | مصعب کی وفات کے بعد مروان بن حکم اموی کے لڑکے عبداللہ نے پیام نکاح دیا۔ مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ کی والدہ رباب نے اسے مسترد کر دیا اور کہا کہ میں اس شخص کے نکاح میں اپنی لڑکی کا ہاتھ نہ دوں گی جس نے میرے داماد کو قتل کیا ہے غالباً حجاج کے ساتھ ابن مروان بھی بصرے کی جنگ میں شریک تھے۔ اس کے

بعد عبدالرحمن بن عوف کے صاحبزادے ابراہیم نے پیام دیا تو رباب نے یہ پیام بھی رد کر دیا۔ اور فرمایا تمہاری حماقت اب اس حد کو پہنچ گئی کہ تم سکینہ بنت حسین کو اپنے حبالۂ نکاح میں لانے کی جسارت کرتے ہو۔ غالباً وہ زیادہ مالدار نہ تھے۔

یہ روایات کتاب الاغانی کی ہیں جو ایک شیعہ مصنف تھا۔ اس نے زنانِ قریش کے تضحیک آمیز حالات لکھے ہیں۔ حتیٰ کہ خود سیدہ کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں۔

بالآخر آپ کا تیسرا نکاح عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکم اموی سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکا قرین اور ایک لڑکی ربیعہ پیدا ہوئے۔ ربیعہ سن بلوغ کو پہنچیں تو سیدہ سکینہ نے ان کا نکاح مشہور اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پوتے عباس بن ولید کے ساتھ کر دیا۔

چوتھا نکاح عبداللہ بن عثمان کی رحلت کے بعد آپ کا نکاح مروان بن حکم کے پوتے اصبغ بن عبدالعزیز سے ہوا۔

(طبقات ابن سعد)

جناب اصبغ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بھائی اور امیر یزید بن معاویہ کے داماد تھے۔ اس کے علاوہ اصبغ کی رشتہ داریاں ہاشمیوں سے تھیں، ان کے چچا خلیفہ عبدالملک کے عقد میں سیدنا علی کی ایک صاحبزادی تھیں۔ اس رشتے سے خلیفہ عبدالملک سیدہ سکینہ کے پھوپھا تھے۔ دیکھئے مقام بنو امیہ تحقیق مزید عمدۃ المطالب۔

مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکاح سیدہ سکینہ کو راس نہیں آیا۔ جس وقت یہ نکاح ہوا اصبغ مصر کے عامل تھے۔ اور ان کے چچا عبدالملک خلیفہ وقت تھے۔ کہتے ہیں خلیفہ نے اصبغ کو لکھا۔

اگر سکینہ سے تمہارا نکاح ہوا تو تم کو اپنے عہدہ سے معزول ہونا پڑے گا۔ کتاب المعارف جلد ا صـــ۱۳۲ـــ ۔

اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ سیدہ سکینہ عرب کی سب سے زیادہ فیاض اور دریا دل خاتون تھیں، آپ کا ہاتھ کھلا ہوا تھا۔ اس لئے عبدالملک کو خدشہ ہوا کہ یہ نکاح ہوا تو سکینہ بنت حسین کی فیاضی کا اثر سرکاری خزانے پر پڑے گا۔ اور اصبغ کی گذر اسکی معمولی تنخواہ میں جو عمال بنوامیہ کو دیجاتی تھی مشکل ہو جائے گی۔

چنانچہ ادھر سیدہ سکینہ مدینہ سے مصر کے لئے روانہ ہوئیں، ادھر خلیفہ کا خط اصبغ کو ملا۔ اصبغ نے طلاق نامہ مع زرمہر مبلغ بیس ہزار دینار سیدہ کو بھیج دیا۔ یہ دونوں چیزیں سیدہ کو آدھے راستے میں ملیں اور آپ واپس مدینہ آگئیں۔ کسی اور جگہ خلیفہ عبدالملک کی جگہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا نام درج ہے۔

سیدہ کا پانچواں نکاح

اصبغ سے طلاق کے بعد آپ کا پانچواں نکاح زید بن عمرو سے ہوا جو سیدنا عثمان غنی کے پوتے تھے، آپ بجد وجیہہ اور خوبرو اور خوش اخلاق انسان تھے مگر ساتھ ہی بجد کفایت شعار اور کم خرچ بھی تھے۔

سیدہ سکینہ کا یہ نکاح سنہ ۹۶ھ میں ہوا۔ زید اموی تھے۔ اور اصبغ کی طرح ان کی قرابت داریاں بھی ہاشمیوں سے تھیں۔ ان کے بڑے بھائی عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے عقد میں سیدہ سکینہ کی بڑی بہن فاطمہ تھیں۔ ان سے محمد اصغر، قاسم اور رقیہ پیدا ہوئیں۔ زید کے چچا ابان بن عثمان کے عقد میں سیدہ سکینہ کی پھوپھی زاد بہن ام کلثوم بنت زینب بنت فاطمہ تھیں۔ جو عبداللہ بن جعفر کے صلب سے تھیں، سیدہ فاطمہ سے جناب ابان بن عثمان کی نسل چلی

اس طرح سیدہ سکینہ پھر اپنے ہی خاندان میں بیاہ گیئں۔ اگرچہ وہ ایک اموی گھرانہ تھا، مگر وہاں بہت سی زنانِ ہاشمیہ موجود تھیں۔ اس سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان عداوتوں اور نفرتوں کی کہانیاں جھوٹی ثابت ہو جاتی ہیں۔

جس طرح سیدہ سکینہ بنت حسین پاکباز پاک طینت حسین وجمیل، ذہین ومتین اور فیاض وسخی تھیں، اسی طرح ان کے آخری کا شوہر زید بن عمرو بھی شرافت، نجابت، دولت، ثروت اور وجاہت میں بے مثال تھے۔ دونوں بڑی پُرخلوص زندگی گذارنے لگے، اور آپس میں بجد محبت کرتے تھے۔

زید ان کی کسی فرمائش کو رد نہ کرتے۔ چنانچہ روایت ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک زید کے بڑے دوست تھے، اور قریبی رشتہ دار بھی تھے، انہی کے عہد خلافت میں یہ نکاح ہوا، خلیفہ ہر سال حج کے لئے ضرور جاتا۔ ایک بار اس نے زید کو ساتھ چلنے کی دعوت دی، زید نے بیوی سے مشورہ کیا، سیدہ نے چلنے سے انکار کر دیا۔ مگر زید کو اپنی سبکی کا احساس ہوا تو بجد منت سماجت کی تب جا کر سیدہ راضی ہوئیں۔

کہتے ہیں زید سیدہ کی ہر خواہش پوری کرنے کیلئے مستعد رہتے اور ان کی بہت ناز برداریاں کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ سیدہ نے مکہ چلنے کی فرمائش کی اور جب وہ تیار ہوئے تو جانے سے انکار کر دیا یا مکہ پہنچے تو فوراً مدینہ پہنچنے کی فرمائش کر دی۔ زید کو ان سے ایسی محبت تھی کہ وہ ہر فرمائش پوری کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن شاید اس محبت اور تابعداری کے درمیان زید کی کفایت شعاری اور سیدہ سکینہ کی فیاضی اور دریادلی رخنہ انداز ہونے لگی۔

روایت ہے کہ سیدہ زید کی کنجوسی سے واقف تھیں۔ اسلئے انہوں نے پیشگی شرائط منظور کروالی تھیں۔ جن میں پہلی یہ تھی کہ زید کبھی ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے۔ چنانچہ زید نے آٹھ سال تک یہ شرط نبھائی۔ بالآخر وہ سیدہ کی فضول خرچیوں سے عاجز آگئے اور مدینہ چھوڑ کر کسی گمنام

مقام پر جاکر گوشہ نشین ہو گئے - اور سات ماہ تک سیدہ کی خبر نہ لی، سیدہ کو اس کا ملال ہوا، انہوں نے عدالت میں نفقہ اور طلاق کا دعویٰ استغاثہ کر دیا۔ قاضی مدینہ نے زید کو بلایا اور طلاق دلا دی - ایک دوسری روایت میں ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے دوست زید کو لکھا:-

"تم نے سکینہ بنت حسین سے جو عہد و پیمان کئے تھے وہ نبھا نہ سکے، بہتر ہے کہ تم ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دو۔ کیا ضرور ہے کہ تم خود بھی پریشان ہو اور ان کو بھی پریشان کرو۔ قیتبہ لکھتے ہیں کہ اس خط سے متاثر ہو کر زید نے سیدہ کو طلاق دیدی۔ کتاب المعارف ج ۱ ص ۱۳۲ -

سیدہ سکینہ زید کے ساتھ آٹھ سال تک رشتۂ مناکحت میں رہیں۔ ان سے ایک بچہ بھی ہوا جو اپنے باپ سے مشابہ تھا۔ اس بچے کا نام عثمان رکھا گیا اسی نسبت سے جناب زید کی کنیت ابو عثمان مشہور ہوئی - زید سے طلاق کے بعد سیدہ نے پھر کوئی نکاح نہ کیا اور بقیہ زندگی اللہ کی عبادت میں گذار دی۔ مگر اس روایت سے ہمیں اتفاق نہیں۔ زید سے نکاح ۹۶ھ میں ہوا یعنی کربلا سے واپسی کے ۳۵ سال بعد تو اس وقت سیدہ کی عمر ۵۹ یا ۶۰ سال تھی۔ بچہ ہونے کی بات غلط ہے - زید کا یہ بچہ کسی پہلی بیوی سے ہو گا۔ کنیت پہلے بچے سے چلتی ہے۔ (مولف)

عجمی افترا پردازی

مسلمانوں کی بد نصیبی ملاحظہ ہو کہ وہ اپنے بزرگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے جن کتابوں پر انحصار کرتے ہیں وہ عجمی مفسدوں کی ہی لکھی ہوئی ملتی ہیں - کتاب الآغانی کا مؤلف جو ایک غالی شیعہ تھا سیدہ سکینہ کے حالات کچھ اس طرح لکھتا ہے۔ حالانکہ وہ

اہل بیت کا پرستار ہونے کا دعویدار ہے۔

سیدہ سکینہ کا گھر کیا تھا۔ ایک سیلون تھا جہاں شعراء و فقہا کا مجمع لگا رہتا اور مالکۂ خانہ کی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کی بدولت کبھی بے لطفی نہ ہونے

پاتی، انہیں اپنی عالی نسبی اور اپنی بیٹی کے حسن پر بڑا ناز تھا۔ انہوں نے بالوں کو گوندھنے کی ایک خاص وضع ایجاد کی تھی جو طرۂ سکینہ کے نام سے مشہور تھی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اس کو عام ہونے سے روکا۔ ان کے ایک بھائی نے سکینہ سے یکجائی کے بغیر نکاح کیا تھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے جسقدر طلبگاروں سے وہ تھوڑی یا زیادہ مدت کے لئے نکاح کرتی رہیں ان کو انگلیوں پر شمار کرنا مشکل ہے۔ ایک سے زیادہ موقعوں پر انہوں نے نکاح سے قبل اپنی آزادی کی شرط کر لی تھی۔ (آغانی)

یہ روایت جسٹس امیر علی نے اپنی تاریخ اسلام میں درج کر کے اپنی شیعہ ذہنیت کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ اس روایت سے عربوں اور عربی معاشرہ پر جو زد پڑتی ہے، وہ ظاہر ہے اور یہی شیعیت کا مقصود و منتہیٰ ہے۔

دنیا سے رحلت سیدہ سکینہ نے کم و بیش اکیاسی (۸۱) سال کی عمر پائی اور ۲۵ ربیع الاول ۱۱۷ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

قتیبہ لکھتے ہیں:۔ کہ سیدہ کی رحلت اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں ہوئی۔ مشہور شیعہ مورخ مرزا محمد تقی سپہر کاشانی کی تحقیق بھی یہی ہے۔ مگر ہمارے ذاکر صاحبان کی دیدہ دلیری ملاحظہ فرمائیے کہ سال بسال وہی جھوٹ الاپتے رہتے ہیں کہ وہ پانچ سال کی عمر میں زندان شام میں بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہو گئیں۔ اور ذرا خوف نہیں کرتے کہ پڑھے لکھے لوگ یہ جھوٹ سنکر ان کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔

ان معتقدہ روایات کی رو سے سیدہ سکینہ کی عمر سانحۂ کربلا کے موقعہ پر اعداد و شمار کی روشنی میں ملاحظہ ہو :-

آپ نے ۱۱۷ھ میں بعمر ۸۱ سال وفات پائی۔

پس آپ کی پیدائش ۱۱۷ - ۸۱ = ۳۶ھ بنتی ہے۔

عمر سانحہ کربلا میں ۶۱ - ۳۶ = ۲۵ سال قرار پاتی ہے۔

افسوس کہ ہمارے بزرگ حساب دانی میں کتنے کورے نکلے جو تیرہ سو سال میں اتنا معمولی حساب نہ کر سکے۔ اور وہ خرافات سنتے چلے آئے جو بنوامیہ اور عربوں بلکہ عام سنی مسلمانوں کے خلاف بغض و نفرت کے جذبات ابھارنے کے لئے مجلسوں میں سنائی جاتی ہے۔

ایسی ہی دروغ بافی کی ایک اور مثال پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہیں روایت سنیئے :-

"جب سیدہ سکینہ کا جنازہ تیار ہوا تو ان کے بھائی علی بن حسین المعروف زین العابدین علیہ السلام نے عامل مدینہ خالد بن عبدالملک کو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلوایا۔

"عامل نے کہا ٹھہرو میں آتا ہوں"

کئی گھنٹے گذر گئے۔ تو پھر آدمی بھیجا گیا۔ جواب ملا جلدی کیا ہے، اس طرح صبح سے شام اور شام سے صبح ہو گئی، اور لاش مبارک سے عفونت خارج ہونے لگی۔"

راوی کہتا ہے :- بدبو جب زیادہ بڑھی تو امام زین العابدین نے پانچ سو دینار (یعنی اشرفی) کا لوبان منگا کر جلایا۔ "مقام بنی امیہ" صـ۱۲۱ و "تحفۂ کربلا" صـ۹۰۔

سوچیئے پانچ سو اشرفی کا لوبان اس زمانے میں کتنے سیر یا من آیا ہوگا اور وہ کتنے دن جلتا رہا ہوگا۔؟

ظاہر ہے کہ عامل مدینہ کو جو خلیفہ عبدالملک بن مروان کا بیٹا تھا بدنام کرنے کے لئے یہ روایت گھڑی گئی تھی مگر احمقوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ زین العابدین جو سنہ ۹۵ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ سنہ ۱۱۷ھ میں اپنی چھوٹی بہن کے جنازے پر لوبان جلانے کیسے آ گئے۔؟

افسوس مسلمانوں پر گذشتہ ہزار سال سے کیسی جہالت طاری رہی جو سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے سے عاری رہے۔ بلکہ جھوٹ سن سن کر اپنا ایمان تباہ اور آخرت خراب کرتے رہے۔

ہم کو تو اللہ تعالیٰ کا حکم ان الفاظ میں موصول ہوا ہے:۔

یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین أتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطاناً مبیناً ○ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ﴿النساء ۱۴۵﴾

ہاشمی دعوۃ

اب ہم شجرۂ نسب بنو ہاشم و امیہ کے مطابق ان خاندانوں کے مناقشات پر تھوڑی سی روشنی ڈالتے ہیں۔

عہد جاہلیہ میں قریش نے خانہ کعبہ کو بت خانہ بنا رکھا تھا، اس میں ہبل لات و منات کے ساتھ ابراہیم و اسمٰعیل کے بت بھی نصب تھے۔ اس بتکدے کی تولیت اور اس کی آمدنی سے فیض حاصل کرنے کے لئے عام خانقاہوں مزاروں، درگاہوں اور مندروں کی طرح گدی نشینی کے لئے کبھی کبھی جھگڑے ہو جاتے تھے۔ جو خاندانی معاملات ہوتے تھے۔

ھاشم۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسری پشت کے جد اعلیٰ تھے، تولیت کعبہ کے ساتھ قوم کی سرداری بھی انہی کے پاس تھی، ان کے مرتے وقت وراثت کی تقسیم پر کچھ جھگڑا ہو گیا، ان کے بھتیجے امیہ نے دعوی کیا کہ دین اور سیاست کو الگ الگ ہونا چاہیئے، یعنی تولیت کعبہ عبد المطلب کو ملے تو قوم کی سرداری ان کو تفویض کی جائے۔ یہ بات تسلیم کی گئی اور ذمہ داریاں تقسیم ہو گئیں۔ جو کچھ اس درج تھیں :۔

عبد المطلب کے پاس حسب ذیل دینی شعبے رہیں :۔

۱ تولیت کعبہ، پوجا پاٹ کے مراسم، نذر نیاز اور قربانیوں کی وصولی کفن دفن کی خدمات اور نماز فاتحہ وغیرہ

۲ ۔ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری ۔

۳ ۔ عمارہ خانہ کعبہ کی مرمت روشنی وغیرہ ۔

۴ ۔ رفادہ حاجیوں کے طعام و قیام کا انتظام ۔

امیہ کے پاس سیاسی و دنیاوی امور

۱ ۔ قیادہ ۔ قومی فوج کی کمان، بھرتی اور تربیت کی ذمہ داری، سواریوں اور ہتھیاروں کی فراہمی اور قومی دفاع کی ذمہ داریاں ۔

۲ ۔ لوایہ ۔ علمبرداری، قومی علم کی حفاظت ۔

چنانچہ رسالتمآب کے زمانے میں تولیت کعبہ ابو طالب ہاشمی کو وراثت ملی اور قوم کی قیادت (سرداری) ابو سفیان رضی اللہ عنہ اموی کے پاس آئی مگر جب ہمارے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے تو اس کی زد براہ راست بنو ہاشم کے کاروبار پر پڑی جو متولیان کعبہ تھے، اور مذہبی ٹھیکیداری سے کھا رہے تھے، ان کو اپنی معاشی و معاشرتی موت نظر آنے لگی، اسلئے یہی حضور کے سخت مخالف ہو گئے اور ایسی

مخالفت کی کہ ابولہب کے لئے تو قیامت تک امت کو تبت یدا پڑھنے کا حکم ملا اور ابوطالب کے بارے میں بقول بخاری حضور نے فرمایا اسے میری قرابت کی وجہ سے سب سے کم عذاب ہوگا۔ صرف دو جوتے آگ کے پہنائے جائینگے جس سے اس کا دماغ کھولے گا۔ اللہ اللہ کتنی مخالفت ان چچاؤں نے کی ہوگی جو ان کے مرنے کے بعد بھی حضور ایسے الفاظ میں ان کو یاد کرتے رہے۔

مگر بنوامیہ کی طرف سے ایسی کوئی مخالفت نہ ہوئی، ان کو مذہبی امور سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور ابھی حضور کی تعلیم نے کوئی سیاسی مسئلہ پیدا نہ کیا تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حالتِ کفر میں بھی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہرقل کے دربار میں اپنے بھائی محمد کی دیانتداری صداقت اور صلح جوئی کا اعتراف کر رہے تھے۔ اور بعد کو جب مسلمان ہوئے تو اپنے سارے خاندان کے ساتھ رسول اور ان کے مشن کو کامیاب بنانے میں تن من دھن سے لگ گئے کیونکہ وہ سپاہی اور خاندانی سردار تھے، ان میں خانقاہی و متولیانہ ہٹ دھرمی اور شیخی نام کو نہ تھی۔ جب رسول کی صداقت و سچائی آنکھوں سے دیکھ لی تو ان کی اطاعت قبول کر لی۔ اور ان کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔

حضور نے بھی ان پر اور ان کے خاندان پر اعتماد کیا، ان کو مراتب عطا فرمائے، ان کے مکان کو خانہ کعبہ کے بعد دوسرا مقام امن قرار دیا۔ اور انکی بیٹی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ سے عقد نکاح فرمایا تو اس شان سے کہ شاہِ حبشہ نے دربار خاص میں ان کا نکاح پڑھوایا، زرِ مہر جیب خاص سے دیا۔ اور جہیز میں تحفہ و تحائف کے علاوہ ایک گھوڑا دلدل اور ایک کنیز بھی دی کیونکہ آپ سردار عرب کی بیٹی تھیں۔

فتح مکہ کے بعد حضور نے سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو سرداری عرب پر برقرار رکھا۔ بلکہ بعض اور علاقے بھی ان کے ماتحت کردیئے، ان کے بیٹوں یزید اور معاویہ رضوان اللہ علیہم کو بھی اہم مناصب عطا فرمائے۔ آخر الذکر سے کتابت وحی کا بھی کام لیا، مگر غالباً سپاہی کے لئے لکھائی کا کام زیادہ دلپذیر نہ تھا اسلئے معاف کردیا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بنو ہاشم اسلام لانے کے بعد بھی کوئی مناصب حاصل نہ کرسکے، اسکی وجہ یہی تھی کہ عباسؓ، عقیلؓ، جعفرؓ و علیؓ رضوان اللہ علیہم اپنی متولیانہ و مشائخانہ تربیت کی وجہ سے انتظامی امور کے اہل نہ تھے اور جو کام وہ جانتے تھے اس کی نئے دین کی وجہ سے کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی اسلئے یہ حضرات زندگی بھر وظیفے پاتے رہے۔ جو خلفائے راشدین نے بھی حسب حال جاری رکھے

اسلامی تعلیمات کے اثرات بنو ہاشم نے قبول کئے یا نہیں اس سے ہمیں بحث نہیں مگر اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ جب اسلام نے تمام نسلی و نسبی امتیازات کو ختم کرکے کالے گورے عجمی عربی سب کو بھائی بھائی بنادیا خاندانی عصبیتوں کو ختم کردیا۔ غلاموں کو آقاؤں کے برابر کھڑا کردیا اور قرآن حکیم کا قول فیصل سنادیا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تو پھر ہاشمی سیادت کا سوال کیسے اٹھا اور کس نے اٹھایا اس کے لئے تاریخ سے رجوع کرنا پڑے گا۔

سیدنا عثمان غنیؓ کے آخری ایام خلافت میں ایک یمنی یہودی عبداللہ بن سبا مدینہ آیا اس نے سیدنا علیؓ کو حکومت سے شاکی اور خلافت کے لئے بے چین پایا، وہ ان کا ہمدرد بن گیا، سیدنا علیؓ اس کے کید کو نہ سمجھ سکے اپنے دل کا حال اگل دیا یہودی نے کہا بھئی خوب بنی امیہ کا یہ ستر سالہ بڈھا گدی چھوڑنے کو راضی نہیں۔

اور بنو ہاشم جو رسول کے خاندانی لوگ ہیں صرف وظیفے پر بسر کر رہے ہیں۔ اجی خلافت آپ کا حق ہے ہم آپ کا حق دلائیں گے حکم کیجئے اور دیکھئے۔

اور غالباً وہ حکم مل گیا تو یہودی فوراً عراق کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں بہت سے مجوسی مسلمان بنے بیٹھے تھے، ان سے کہا اب موقعہ ہے عربوں کی قبائلی عصبیت کو ہوا دیکر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ تم شور مچاؤ کہ بنو امیہ بنو ہاشم کا حق دبائے بیٹھے ہیں حکومت بنو ہاشم کو ملنی چاہیئے رسول بنو ہاشم سے تھے، اس پروپیگنڈے سے جاہل عوام متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

چند ماہ بعد یہی یہودی اپنے تین ہزار آزمودہ کار چیلے لیکر زمانہ حج میں جب مدینہ خالی تھا دارالخلافہ میں گھس آیا اور خلیفہ مظلوم کو شہید کر کے تاجِ خلافت بنو ہاشم کے سپوت کے قدموں میں ڈالکر داد کا طالب ہوا۔

تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری کتاب "سبائی سبز باغ"

اس طرح عہد جاہلیہ کی قبائلی عصبیت جسے اسلام نے ختم کر دیا تھا پھر جاگ اٹھی اور اخوت اسلامی میں رخنے پڑ گئے جو آج تک نہ جُڑ سکے۔ تاہم اس سے حضرت علی کی ہاشمیت کا نام روشن ہو گیا۔ عجمی مجوسوں نے ان کو پھر ان کے اسلاف کیطرح پوجنا شروع کر دیا۔ ان کو شیر خدا، حیدر کرار، صفدر جرار، قوتِ پروردگار، ولی اللہ، وصی رسول اللہ، خلیفہ بلا فصل، مشکل کشا، اور مولا علی کے القابات سے نوازا۔ جنہیں بنو ہاشم نے وراثتِ پدری سمجھ کر قبول فرما لیا۔ مگر افسوس کہ یہ ورثہ بیحد مہنگا پڑا، یعنی جانوں کے ساتھ عزت و ناموس بھی گئی، مجوسوں نے چادریں بھی لوٹ لیں۔۔۔

اور چند سال بعد عباسیوں نے علی کے اسی نسلی حربۂ ہاشمیت سے عجمیوں کو ساتھ لیکر بنو امیہ کے ساتھ آل ابو طالب کے خوابِ خلافت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پراگندہ کر دیا۔ (دیکھئے ہماری کتاب ارمغانِ عجم)

بعد کو آنے والی نسلوں نے سمجھا کہ بنو ہاشم ہونا کوئی اعزازی چیز ہے۔ اس لئے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ السلام کو بھی ہاشمی و مطلبی کہنے لگے۔ جو ایک صریح دھوکا بد دیانتی اور افترا ہے۔ یہ رسول کی تعلیم کے خلاف اسلام کے لیے باعثِ رسوائی نسبت ہے۔ اسلام نے نسلی و نسبی تفاخر کی جڑ کاٹ دی تھی، رسول کو ہاشم، مطلب یا ابو طالب جیسے عہد جاہلیہ کے کافر سرداروں سے کونسی فضیلت حاصل ہوئی تھی۔ وہ ان کی اولاد ہونے پر کیسے فخر کر سکتے تھے۔ جبکہ قرآن عظیم کا قول فیصل موجود تھا:۔

• ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

چنانچہ آپ کا عمل تو یہ تھا کہ زید بن حارثہ اور بلال حبشی آپ کے پاس جعفر وعقیل سے زیادہ محبوب تھے۔ ہاں اگر حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ سے نسبت دکھائی جائے تو صحیح ہے کہ وہ آپ کے مورثِ اعلیٰ تھے اور نبی تھے، مگر کافروں سے نسبت میں کوئی فضیلت نہیں۔

وما علینا الا البلاغ

عزیز احمد صدیقی